Daar-UL-Iftaa
Jamia Abdullah Bin Umar
23km Ferozpur Road Near
Kahna Nou
Lahore Pakistan

دار الافتاء
جامعہ عبداللہ بن عمر
۲۳ کلومیٹر فیروزپور روڈ نزد کاہنہ نو، لاہور پاکستان
۰۳۳۲-۸۲۹۱۲۲۱ ، ۰۴۲-۳۵۲۷۲۲۷۰

حوالہ نمبر:	فتوی نمبر: ۲۲/۶	سائل:	مجیب: محمد طارق محمود
مفتی: مفتی محمد نوید خان صاحب	مفتی:		
کتاب:	باب:	تاریخ ہجری: ۱۵/ ۶ /۱۴۴۵ھ	تاریخ عیسوی: ۲۹/ ۱۲ /۲۰۲۳ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دورہ حدیث شریف میں چونکہ فقہ کے اختلافی مسائل بیان ہوتے رہتے ہیں اور ان کی تفصیل میں اصول حدیث کا بھی ذکر آتا ہے۔ بعض دفعہ حدیث کے درجے صحیح اور ضعیف وغیرہ کا بھی بیان ہوتا ہے۔ نیز انٹرنیٹ پر مادی صحۃ الحدیث۔۔۔۔ لکھ کر سرچ کریں تو بہت سی حدیثوں کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کس درجے کی ہیں۔ اسی طرح کچھ دوسرے کمپیوٹر سافٹ ویئرز بھی ہیں جن سے حدیث کا حوالہ اور درجہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس پس منظر میں بندہ کے ذہن میں کچھ سؤالات ہیں۔ ان کے تفصیلی جوابات عنایت فرمانے کی درخواست ہے:

۱- کچھ اصول تو وہ ہیں جو ہم نے شرح نخبہ میں پڑھے ہیں اور کچھ اصول اصول فقہ کی سنت کی بحث میں بھی آتے ہیں۔ ان دونوں میں کچھ ٹکراؤ بھی محسوس ہوتا ہے مثلا حدیث مرسل ضعیف ہے یا مقبول؟ بحث کے دوران کسی جگہ تو مرسل سے دلیل لے رہے ہوتے ہیں اور کسی جگہ اسے ضعیف قرار دے رہے ہوتے ہیں۔ اس کا کیا حل ہے؟ فقہ حنفی کے مسائل کے دلائل کونسے اصول کی روشنی میں جانچے جائیں گے شرح نخبہ والے یا اصول فقہ کے باب السنۃ والے اصول سے؟ یہ دونوں طرح کے اصول کس کس جگہ کام دیتے ہیں؟

۲- شاملہ اور انٹرنیٹ وغیرہ پر بہت سی حدیثوں کے بارے میں شیخ البانی کے اقوال ملتے ہیں۔ کیا شیخ کے کلام پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

۳- راویوں کے حالات کتب اسماء الرجال سے دیکھ کر شرح نخبہ وغیرہ کتب کے قواعد جاری کرتے ہوئے سندیا حدیث کو صحیح یا ضعیف کہا جاسکتا ہے؟

۴ - کیا اس زمانے میں نئے سرے سے ہر حدیث کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ کونسی حدیث کس درجے کی ہے؟ کونسی صحیح ہے اور کونسی نہیں؟

۵ - حدیث کی سند میں کوئی شدید الضعف راوی آنے سے متن بھی شدید الضعف ہو جائے گا؟ یا وضاع یا کذاب کے سند میں آنے سے حدیث کو موضوع کہہ سکتے ہیں؟

۶ - حنفیہ کے دلائل حدیث میں تاویلات بہت آتی ہیں۔ جبکہ دیگر فقہاء حدیث کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

عبد الباقی، متعلم دورہ حدیث شریف

جامعہ عبد اللہ بن عمر، لاہور

۱۵/۴/۱۴۴۵ھ - ۳۱/۱۰/۲۰۲۳ء

الجواب حامدًا ومصليًا

۱ - واضح ہو کہ علمی مباحث میں دو طرح سے کلام ہوتا ہے: ایک تو تحقیقی طور پر، دوسرے الزامی انداز میں۔ تحقیقی اسلوب کا مطلب یہ ہے کہ مدعی اپنے خاص اصولوں کی بناء پر کلام کرے اور الزامی انداز کے معنی یہ ہیں کہ مخاطب کے مسلمات کو بنیاد بنا کر کلام کیا جائے۔ پہلے اسلوب کی غرض اثبات دعوی ہوتی ہے اور دوسرے کی غرض مخاطب کا اسکات والزام اور اپنے قول کی تائید وتوضیح۔ اور بحث کے آداب مستقل علم کی صورت میں اصول مناظرہ کے نام سے مدون ہیں۔

اب چونکہ حدیث کے ثابت ہونے نہ ہونے، معمول بہ ہونے نہ ہونے اور رفع تعارض وغیرہ کے بارے میں ہر فقہی مذہب کا، فی الجملہ اپنا ایک اصولی منہج ہے، تو لا محالہ جس فقہی مذہب کے دلائل کو تحقیقی طور پر سمجھنا ہو اس کے اپنے اصول حدیث کو پیش نظر رکھنا لازم ہو گا۔ چنانچہ اصول فقہ کی ہر کتاب میں باب السنۃ ہوتا ہے۔ البتہ کوئی اہل مذہب اگر الزامی طور پر کلام کریں تو مخالف کے اصولوں کا لحاظ کریں گے تاکہ مخالف کو چپ کرا سکیں اور اپنے مذہب کی مزید تاکید وتوضیح ہو سکے۔

لہٰذا حنفیہ اپنے دلائل پر تحقیقی طور پر کلام کریں گے تو اپنے اصول فقہ کے باب السنۃ کو لے کر بحث کریں گے اور اگر الزامی طور پر کلام کریں گے تو مخالف کے اصول لیں گے۔ تحقیقی اور الزامی انداز کا فرق ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے سائل کو تعارض کا شبہ ہوا ہے۔ جس جگہ مرسل کو صحیح کہا گیا ہے وہ اپنے اصول کی رو سے کہا ہے اور جس جگہ اسے ضعیف کہا ہے وہ مخالف کے اصول کی رو سے کہا ہے۔ حنفیہ کے اصول حدیث پر ایک عمدہ کتاب مولانا عبد المجید ترکمانی کی "المدخل الی اصول

الحدیث علی منہج الحنفیۃ" ہے۔اس کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔یہ کتاب حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کے تقدمہ کے ساتھ مطبوع ہے۔

الجواب الإلزامي: هو الجواب بما هو مسلم عند الخصم وإن كان فاسدا في نفس الأمر. (دستور العلماء : ٢٨٧/١)

قال الإمام أبو بكر الجصاص (الحنفي ت٣٧٠ھ) وهو فقيه مُحَدث - وهو يتكلم عن حديث لا نكاح إلا بشهود - هذه الأخبار كلها عند أهل الحديث ضعيفة بعضها من جهة الرجال وبعضها من جهة الإرسال والصحيح عندهم ما يروى عن الحسن مرسلا ..... وهي عندنا صحيحة من أكثر الوجوه التي رويت فيه ، وليس طريقة الفقهاء في قبول الأخبار طريقة أصحاب الحديث ، ولا نعلم أحدا من الفقهاء رجع إليهم في قبول الأخبار وردها ولا اعتبر أصولهم فيها ..... قال الشيخ مُحَمَّد عوامة : فهذه أقوال جمهرة من أئمة الحديث والأصول والفقه في اعتماد طريقة الفقهاء في القبول والرد دون إنكار عليهم ، وإنكار المنكرين عليه فيه بعد عن الصواب وإلزام لهم بما لا يلزمهم . (تعليق تدريب الراوي : ١٤٤/٢ ، ١٤٥)

ولا محيص من مطالعة بحث السنة من كتب أصول الفقه للمتقدمين ، لا سيما المللمين منهم بعلم رواية الحديث ، فإنه المصدر القديم والمهم لأصول الحديث بالنسبة إلى المجتهدين لا سيما الأئمة الحنفية منهم مع قصور بعض تلك الكتب في عرض أصولهم ومنهجهم في بعض المواضع . (المدخل إلى علوم الحديث لمولانا مُحَمَّد عبد المالك البنغلاديشي : ص١٣٢)

وللفقهاء المجتهدين ولاسيما المتقدمين منهم في ذلك (أي في التصحيح والتضعيف والجرح والتعديل) طريقة غير طريقة المحدثين الذين جاؤوا عند انتهاء المئتين . وفي كل من الطريقتين خير كما قال الإمام ابن دقيق العيد في خطبة الإلمام بأحاديث الأحكام حيث قال : "وشرطي في هذا الكتاب أن لا أورد إلا حديث من وثقه إمام من مزكي رواة الأخبار وكان صحيحا على طريقة أهل الحديث الحفاظ أو أئمة الفقه النظار فإن لكل منهم مغزى قصده وسلكه وطريقا أعرض عنه وتركه وفي كل خير" . ومن زعم أن لا حظ للمجتهدين في ذلك وخاصة بالنسبة إلى أحاديث الأحكام فقد جهل سير الأئمة ومقاديرهم الرفيعة وشروط الاجتهاد والإمامة في الفقه في آن واحد . (المصدر السابق : ص١٥٩)

فالذي ينبغي لمثله من غير أصحاب النظر من طلاب العلم أن يتبعوا أحدا من المحدثين النقاد من المنتسبين إلى المذهب الفقهي الذي يقلده هو ويطيع الله ورسوله حسب شرح واستمداد ذلك المذهب من كتاب الله وسنة رسوله ﷺ ..... مرد كثير من الاختلافات الفقهية إلى الاختلاف في التصحيح والتضعيف . فالناقد الذي يختار مسلكا فقهيا خاصا يكون له نظر آخر في أخبار الآحاد التي يستدل بها أصحاب المسلك الآخر . وهذا هو الغالب . إذا فالأخذ بمسلك فقهي في المسائل والأخذ بقول ناقد متبع لغير ذلك المسلك في أحوال أدلة تلك المسائل يؤدي إلى اضطراب ربما يوقع الطالب في سوء الظن ..... فلو عارض أحد من النوابت – مثلا – متفقها على مذهب الإمام أبي حنيفة بأن الحديث الفلاني الذي صححه أبو حنيفة أو استدل به على المسئلة الفلانية ضعيف لا يحتج به ساغ له أن يقول : حديث صححه أبو حنيفة لم يبق فيه لأحد مطعن . ... (يعني) تصحيح مثل أبي حنيفة يكون حجة لمقلد مثلي ولا يلزمني ترك تصحيحه لتضعيف إمام آخر مثله . (المصدر السابق : ص ١٤٩ – ١٥١)

وهذان الجوابان عن عدالة عبد الرحمن بن إسحاق إنما ذكرناهما على طريق التنزل وإلا فجهالة حال الرجل في القرون الثلاثة لا تضر عند الحنفية وتكون محمولة على العدالة بشهادة النبي ﷺ لأهل ثلاثتها بالخيرية كما هو مصرح به في التوضيح وغيره من كتب أصول الحنفية . (ترصيع الدرة على درهم الصرة : ص٨١ ح١)

اور حنفی عالم کو محدثین کی مصطلح کے علاوہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے اس کو خاص طور پر پیش نظر رکھنی چاہیے، خصوصا جصاص کی اصول فقہ سرخسی اور بزدوی رحمہم اللہ تعالی کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے وہ پیش نظر رہے کہ ہمارے یہاں نقد حدیث کے وہی اصول ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں، وہ نہیں جو ابن صلاح اور بعد کے لوگوں نے بنائے ہیں۔اس سلسلہ میں کشف بزدوی اور اصول سرخسی کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔(تخصص فی الحدیث کے)نصاب کے لیے آپ چاہیں تو مقدمہ ابن صلاح، اصول فقہ میں سے سرخسی کی سنت کی بحث لازمی کر سکتے ہیں۔(حدیث کے اصول و مصطلحات منہج حنفی کی روشنی میں:ص۲۷، ۲۸، حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ کے مظاہر العلوم سہارنپور کو نصاب تخصص فی الحدیث کے بارے میں لکھے ہوئے خط سے اقتباس)

ومما يجدر الانتباه له أنه قد كثرت الكتب في أصول الحديث ، وهي إنما تعتني وتناقش جانبا من أصول الحديث خاصا بمناهج المحدثين في الرواية دون الفقهاء ..... وأما أصول الحديث على

مصطلح الفقهاء من اتباع المذاهب الأربعة ففي كتاب السنة من كتب أصول الفقه وهي تختلف عن أصول المحدثين . (دراسات في أصول الحديث على منهج الحنفية : ص ج . من كلمة الدكتور محمد عبد الحليم الجشتي)

إن أركان الإسلام طائفتان من علمائنا رحمهم الله جميعا ، هما الأئمة المحدثون وهم المرجع في علم الحديث رواية ودراية ، والأئمة الفقهاء المجتهدون ، وهم المرجع في علمي الأصول والفروع.

والمستقر في أذهان المعاصرين المشتغلين بعلم الحديث أن المرجع والمآب في تصحيح الأحاديث وتضعيفها هم المحدثون (الطائفة الأولى) في حين أن الأئمة المتقدمين يدركون أن لكل طائفة منهجا ومسلكا في التصحيح والتضعيف ، قد يتفق مع الطائفة الأخرى وقد يختلف ، فجعل طائفة واحدة حاكمة على أحكام الطائفة الثانية خطأ كبير نشأ عنه اضطراب كبير في الساحة العلمية المعاصرة ، ولو أنصف كل طائفة غيرها لاسترحنا كثيرا مما نعاني منه .

ومما لا يخفى على المشتغل بهذا العلم أن علماءه يحكون في كثير من مسائله الخلاف بين ثلاث طوائف : الفقهاء والأصوليين والمحدثين ، فأصحاب اشأن في هذا العلم – علم المصطلح – هم أصحاب هذه الاختصاصات الثلاثة لا المحدثين فقط . ورجالات هذه العلوم كلهم يرجعون في فقههم وتمذهبهم إلى الأئمة الأربعة ، ومن حق كل واحد منهم أن يحكي اجتهاد مذهبه في المسئلة المدروسة ويطبق هذا الاجتهاد فيها على ما يتصل بها من أحكام فقهية ، ولو رجعنا إلى كتب أصول فقه المذاهب الأربعة لوجدنا ما يتفق مع كتب المصطلح المتداولة (المصطلح الشافعي) أو يختلف معها .

وإن أركان علم مصطلح الحديث رحمهم الله هم : الحاكم والبيهقي والخطيب وابن الصلاح والنووي والعراقي والزركشي وابن حجر والسخاوي والسيوطي ومؤلفاتهم المتداولة هي أركا هذا العلم وأقواله هي السائدة المرجوع إليها .

يضاف إليهم ابن جماعة والطيبي والتبريزي والعلائي وابن كثير والأبناسي والبلقيني وابن الملقن ثم القسطلاني ثم المناوي ، كل هؤلاء وغيرهم هم من حيث المذهب الفقهي فقهاء شافعية ، ومعلوم اشتراك مباحث السنة من علم أصول الفقه مع علم أصول الحديث ، فمزج هؤلاء الأئمة كتبهم في علم أصول الحديث بآراء أئمتهم الشافعية الأصولية الفقهية ، لا سيما وأن الإمام الشافعي رحمه الله وسائر علماء المسلمين كتب أبحاثا كثيرة تدخل في العلمين ، فصار علم أصول الحديث أو مصطلح الحديث مصطلحا شافعيا ، وكثير من أحكامه يسيرة الأثر لا يوقف

عندها ، لكن كثير منها له أثر كبير ، فترى الواحد من القراء يأخذ حكما حديثيا أصوليا من كتب المصطلح الشافعي ويطبقه على حكم فقهي حنفي أو مالكي أو حنبلي فتختلف النتائج وتضطرب . (تعليق الشيخ محمد عوامة على تدريب الراوي : ١/١٥ ، ١٦)

والمقلد له أن يتبع أقوال إمامه وأصوله في التصحيح والتضعيف في جميع الأبواب الأحكام وغيرها إلا أن ذلك آكد وألزم في تصحيح وتضعيف أحاديث الأحكام الخلافية وتوثيق وتضعيف الرواة الموافقين والمخالفين أكثر مما تطرقا إلى غيرها . (المدخل إلى علوم الحديث الشريف : ص ١٥٨) وانظر لزاما : فيض الباري : ٢/٤٧٦

قال القدوري : فإن قيل : قال أبو داود : مظاهر منكر الحديث . قلنا طعن أصحاب الحديث لا يلزمنا حتى يبينوا جهة الضعف . (التجريد للقدوري : ١٠/٤٩٧٣)

مجرد طعن أصحاب الحديث لا يعتد به حتى تبين جهة صحيحة للطعن . (المصدر السابق : ١٠/٥١٨٣)

قال الشاه ولي الله الدهلوي رحمه الله : اعلم أنه لما كان من أصول الإمام مالك الاستدلال بحديث النبي ﷺ سواء كان مسندا أو مرسلا ، وبأقوال عمر وعمل ابن عمر ثم الأخذ بفتاوى الصحابة والتابعين من أهل المدينة ، وعلى الخصوص إذا اتفق جماعة منهم على شيئ ، فهو(أي الموطأ) باعتبار أصله لا يحتاج إلى وصل المراسيل ولا إلى بيان مآخذ موقوفات عمر وعمل عبد الله بن عمر ، ولكن لما كان قصدنا موافقة الجم الغفير من المحدثين القائلين بالفرق بين المسند والمرسل لزم أن نبين كيفية وصل المراسيل بصناعة اعتبار المتابعات والشواهد ، وكذلك يلزم أن نبين مآخذ أقوال الصحابة والتابعين من إيماءات الكتاب والسنة أو القياس على المنصوص فيهما . (مقدمة المصفى شرح الموطأ ، المطبوع في آخر الموطأ ، ص٨٠٣ ، قديمي)

فهذه الموافقة للمحدثين أصحاب الكتب الستة وأمثالهم لزيادة الإيضاح والتوكيد لمذهب مالك ، لا لإصل ثبوته على أصول مالك نفسه . وقس على هذا سائر المذاهب ولا تخلط الكلام الإلزامي بالتحقيقي .

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کتاب (اعلاء السنن) کا مقدمہ بھی مستقل کتاب کی صورت میں الگ چھپ چکا ہے۔ جس میں حنفیہ کے اصول حدیث جمع کیے گئے ہیں۔---پس جب تک حنفیہ کے اصول حدیث سے واقفیت نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی کسی دلیل کو کسی محدث کے ضعیف

کہنے سے ضعیف نہیں کہا جاسکتا۔(مقالات عثمانی: ۱/۳۲۳) اس نکتے کی مزید وضاحت کے لیے دیکھیے مضمون: "محدثین اور فقہاء کے اصول حدیث کا تقابلی جائزہ"۔ یہ المصباح سے مطبوع خیر الاصول کے آخر میں ملحق ہے۔

۲ - شیخ ناصر الدین البانی (متوفی ۱۴۲۰ھ) کے کلام سے تائید یا الزام یا حصول مواد کے درجے میں استفادہ کیا جاسکتا ہے، لیکن اس پر کلی اعتماد کرنا درست نہیں، کیونکہ ان کے حدیثی کام میں کچھ بنیادی سقم ہیں۔ مظاہر العلوم سہارنپور کے تخصص فی الحدیث کے استاذ مولانا محمد معاویہ سعدی صاحب، شیخ البانی کے بارے میں ایک سؤال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"شیخ البانی مرحوم کے علوم اور مذاق و منہج سے استفادہ کی بات دریافت فرمائی، تو ہم نے جن حضراتِ اساتذۂ کرام اور اکابر محققین سے تھوڑا بہت استفادہ کیا ہے، اُن سب کو اس طرز اور صنیع سے اظہارِ براءت کرتے ہوئے، اور اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ہی پایا. اس لیے اَولاً تو احقر تقلیداً اس کو درست نہیں سمجھتا. پھر انہی حضرات کی تعلیم و تربیت کی برکت سے بفضلہ تعالی اب کچھ کچھ وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں ان حضرات نے اس منہج کو قبول نہیں فرمایا، اور کیوں اس کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی؟!

مختصر الفاظ میں اگر اس کا خلاصہ کرنے، بلکہ اس کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی جائے تو شاید بنیادی طور پر مندرجہ ذیل وجوہ قرار پاسکتی ہیں:

۱: شیخ البانی مرحوم کے ہاں حدیثِ ضعیف کے بارے میں جو تشدد ہے، وہ سلف کے منہج سے الگ ہے. حتی کہ امام بخاری، مسلم، اور احمد رحمہم اللہ کے ہاں بھی وہ شدت نہیں پائی جاتی.

۲: کسی راوی کو مجہول قرار دینے کے سلسلے میں شیخ البانی مرحوم کے ہاں جو تشدد اور جمود پایا جاتا ہے، وہ سلف کے منہج سے مختلف لگتا ہے. اور یہ معلوم ہے کہ ان کے نزدیک راوی، مجہول کی روایت مطلقاً ضعیف ٹھہرتی ہے، اور پھر ضعیف اور موضوع دونوں یکساں قرار پاتی ہیں.

۳: کتابی اصول اور عملی تطبیق دینے میں شیخ البانی مرحوم کے پورے سلسلے میں تشدد پایا جاتا ہے. حالانکہ عمل میں توسع اور لچک کا مظاہرہ امام احمد وغیرہ تمام اکابر کے ہاں ملتا ہے.

۴: حدیث پر حکم لگاتے ہوئے آثارِ صحابہ، اقوالِ تابعین اور فتاوی، سلفِ صالحین کو نظر انداز کرنا، اور وعلیہ العمل کو اہمیت نہ دینا. یہ ایسی کمزوری ہے جس کے ہوتے ہوئے، ہمارے بزرگوں کے ہاں کسی بھی رائے اور تحقیق کا اعتبار نہیں رہ جاتا.

۵: پھر سلفیت کی بناپر تقلید، اشعریت اور تصوف کے خلاف شیخ مرحوم کے ہاں جو تعصب پایا جاتا ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں.

۶: فروعی مسائل میں توسع اور اختلاف کو بزرگوں نے نعمت اور رحمت قرار دیا ہے، شیخ البانی مرحوم حدود کی تعیین کے بغیر، علی الاطلاق ہر طرح کے اختلاف کو مضر اور مذموم قرار دیتے ہیں. اور اس کے نتیجے میں اپنی رائے اور اجتہاد کو شریعت کی ترجمانی سمجھتے ہیں، اور دوسری تمام آراء کو ضلالت اور گمراہی باور کراتے ہیں.

۷: سلفی حضرات عموما، اور شیخ البانی مرحوم کی تحریروں کا خصوصا یہ اثر ہوتا ہے کہ اپنا چودہ سو سالہ علمی وفکری سلسلہ ظلمت آلود، اور ضلالت آمیز لگنے لگتا ہے، اور ابن حزم، ابن تیمیہ، ابن القیم، شوکانی اور ابن عبد الوہاب رحمہم اللہ کے علاوہ پورے سلسلے کے تمام اکابر، محققین، فقہاء، اور مجتہدین کے بارے میں سخت بدگمانی پیدا ہوتی ہے، کہ ان حضرات کو نہ حدیث کی معلومات تھیں، نہ دین کی سمجھ تھی، اور نہ ہی اتباعِ سنت کا ذوق وشوق تھا. بلکہ یہ ساری سعادتیں چودہ سو سال میں صرف انھی چودہ پندرہ حضرات کے حصے میں آئیں!!! آپ فرمائیں کہ کیا اس سے بڑی بھی کوئی گمراہی ہوسکتی ہے؟!!!

فی الحال ارتجالاً یہ امور ذہن میں آگئے، ممکن ہے کہ کچھ اور بھی ایسے اسباب ہوں جو البانوی منہج کو سلف کے منہج سے الگ کرتے ہوں۔

ان اسباب اور موانع کے ہوتے ہوئے کسی بھی حدیث پر شیخ البانی مرحوم کی طرف سے لگائے گئے حکم، اور اس پر متفرع ہونے والے نتیجے سے، ہم جیسوں کا متفق ہونا ضروری نہیں رہ جاتا۔ البتہ ہم یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری معلومات میں شیخ البانی مرحوم (سلفی فکر وعمل کے لحاظ سے) ایک متدیّن، وسیع المطالعہ اور صاحبِ نظر عالم تھے، اور تخریج الحدیث میں موجودہ دور میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا. اور فی الجملہ اس کی قدر بھی کرتے ہیں کہ انھوں نے اس دورِ جہالت اور انحطاط میں اپنی محنت، لگن اور وسعتِ مطالعہ سے احادیث کی تحقیق وتخریج کا نہایت شاندار کارنامہ انجام دیا۔ اس لیے ہم ان کی تحقیقات

وتخریجات سے موقع بموقع استفادہ بھی کرتے ہیں لیکن اسی طرح جس طرح کہ المکتبۃ الشاملۃ اور گوگل سے کرتے ہیں، نتیجہ بحث سے اتفاق ضروری نہیں ہوتا۔

ملحوظہ: ان سطور سے نعوذ باللہ شیخ البانی مرحوم کی کوئی تحقیر اور تنقیص مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد صرف آں محترم کے سؤال کے جواب میں شیخ کے علمی اور فکری مرتبہ اور منہج کا بیان کرنا ہے. امید کہ ان معروضات سے احقر کا منشا اور مدعا ظاہر ہو گیا ہو گا۔

باقی یہ امر واقعہ ہے کہ بندہ ابھی ایک معمولی طالب علم ہی ہے، معاصر تحقیقات سے تھوڑا بہت استفادہ کرتا ہے، اور فکرِ دیوبند، اور علمائے مظاہر علوم کے افکار و آثار کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے. بہت مرتبہ غلطی ہو جاتی ہے، اور بہت سے مواقع پر غلطی کا امکان رہتا ہے، اس کے لیے اپنے بڑوں اور بزرگوں سے رہنمائی چاہتا ہے، اور اسی کو اپنے لیے کلیدِ سعادت سمجھتا ہے"۔ انتہی۔

قال مولانا محمد عبد المالك : وفي هذا الكتاب (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للألباني) من الغلطات والفرطات والمغالطات ما ارتفع لأجله الأمان عنه بالنسبة لمن ليس عنده من العلم والفهم ما يميز به مواضع الخلل .... ولا بأس بالاستفادة من سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للشيخ الألباني متيقظا لأخطائه ومغالطاته في كثير من المواضع على هو مشروح في الكتب المؤلفة في الرد عليه ، فمن تلك الكتاب..... الاعتماد على الشيخ الألباني في باب التصحيح والتضعيف مشكل لأسباب كثيرة . (المدخل إلى علوم الحديث الشريف : ص ٢٢ ، ١٣٨ ، ٣٧/حاشية)

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں: شیخ ناصر الدین البانی تصحیح و تضعیف کے بارے میں حجت نہیں، چنانچہ انھوں نے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث کو ضعیف کہہ دیا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی حدیث کے بارے میں بڑی شد و مد سے کہہ دیا کہ یہ ضعیف ہے نا قابل اعتبار ہے، مجروح ہے، ساقط الاعتبار ہے اور پانچ سال کے بعد وہی حدیث آئی، اس پر گفتگو کرنے کے لیے کہا گیا تو کہا کہ یہ بڑی پکی اور صحیح حدیث ہے۔ یعنی جس حدیث پر بڑی شد و مد سے نکیر کی تھی آگے جا کر بھول گئے کہ میں نے کیا کہا تھا، تو

ایسے تناقضات ایک دو نہیں بیسیوں ہیں اور کہا جارہا ہے کہ یہ حدیث کی تصحیح وتضعیف کے بارے میں مجدد هذه المائۃ ہیں۔

• بہر حال عالم ہیں، عالم کے لیے ثقیل لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے لیکن ان کے انداز گفتگو میں سلف صالحین کی جو بے ادبی ہے اور ان کے طرز تحقیق میں جو یک رخا پن ہے جس کے نتیجے میں صحیح حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دے دیتے ہیں اور جہاں اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے وہاں ضعیف کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ حدیث کی تصحیح وتضعیف کوئی آسان کام نہیں ہے۔ (انعام الباری: ۴/۳۴۶، ۳۴۷)

قال الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي : من كان يعرف الألباني ومن له إلمام بتاريخه يعرف أنه لم يتلق العلم من أفواه العلماء ، وما جثا بين أيديهم للاستفادة ، وإنما العلم بالتعلم .

وقال : قد أكثر الألباني من تحسين الأحاديث لشواهدها أو متابعاتها الضعيفة ، حتى لقد أعياني أن أنقلها برمتها . وقد يمل القاري من قراءة ما نقلت منها ، مع أنه قليل جدا . وتصرفاته في هذا الباب عجيبة . فتراه ينقض في الضعيفة ما أبرمه في الصحيحة ، ويهمل القواعد التي راعاها في الصحيحة فلا يقيم لها وزنا في الضعيفه . وذلک لأن التصحيح والتضعيف دائما يكونان بحكم شهوته وطبق هواه . فإذا اشتهى أن يصحح حديثا يتقوى به الخروج على أئمة الاجتهاد والفتوى أو جهابذة الحديث وصيارفة الفن ، استعمل قاعدة من القواعد . واذا اشتهى أن يضعف حديثا كذلک نبذها وراء ظهره.(الألباني شذوذه وأخطاؤه : ۱/۳۰،۹) نیز دیکھیے: شیخ البانی شیخ ارنؤوط کی نظر میں، ماہنامہ دار العلوم، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۴۰ – ۵۴، اور دیکھیے: مجلہ الصفدر، لاہور، شمارہ ۴۱، ص ۳۰ – ۳۲، خدمات البانی غیر مقلدین کی زبانی۔

۴،۳ : واضح ہو کہ حدیث کی سند یا متن کی تحقیق اور درجہ بندی کرنا انتہائی نازک اور پیچیدہ کام ہے۔ اس میں نری قواعد بازی کافی نہیں ہوتی۔ اس میں فقیہ مجتہد یا محدث کے ذوق اور بصیرت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اسماء الرجال کی کتب میں راویوں کے بارے میں لکھے ہوئے ناقدین کے اقوال زیادہ تر نظری، اجمالی اور عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی خاص حدیث میں وہ راوی آئے تو اس کا تطبیقی، تفصیلی اور جزئی حکم بسا اوقات مختلف ہوتا ہے۔ لہذا اسماء الرجال کی کتب میں مذکور احکام کو حدیث وفقہ کی شروحات وتخریجات میں مذکور کلام کے ساتھ ملانے کی ضرورت ہے۔

حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے تقریب التہذیب کے مقدمہ تحقیق میں اس نکتے کی مثالوں سے وضاحت فرمائی ہے۔

نیز اصول حدیث کی کتب میں لکھے ہوئے قواعد بھی محدثین کے کام کے استقراء سے ماخوذ ہیں۔اور کسی خاص مقام کے قرائن وشواہد کے انضمام کی وجہ سے یہ قواعد بھی بسااوقات اکثری بلکہ اس سے بھی کم درجے کے رہ جاتے ہیں۔ نیز لفظی اور معنوی متابعات وشواہد کا باب بہت وسیع ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہوا کہ سند یا متن پر حکم لگانے کے لیے بہت زیادہ وسعت نظر، عمق فہم اور سلامت ذوق کی ضرورت ہے۔اور یہ اہلیت اس زمانے میں حاصل ہونا ناممکن نہیں تو بہت دشوار ضرور ہے۔لہٰذا ہمیں اپنی طرف سے سند یا متن پر کوئی حکم نہیں لگانا چاہیے،بلکہ حسب موقع فقہاء یا محدثین کے منہج کے مطابق،راوی یا مروی کے بارے میں، محقق اہل علم کے اقوال نقل کرنے کی حد تک رہنا چاہیے۔اور یہ بھی آسان کام نہیں۔کسی ماہر استاذ کی زیر نگرانی کرنا چاہیے۔

تقریبا یہی محتاط طرز عصر حاضر کے دو ممتاز اہل علم کا ہے۔مصنف ابن ابی شیبۃ کی تعلیقات میں حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کا،اور المدونۃ الجامعۃ میں حضرت شیخ محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا۔واین نحن منہما؟

التصحيح والتضعيف كما أنهما من الأمور الاجتهادية حسب التفصيل السابق في الفائدة الثالثة فكذلك كثيرا ما يعتمدان ذوق المجتهد والمحدث الجهبذ وبصيرتهما النافذة ، أريد بذلك أنه ليست هناك قواعد ممهدة كلية تطرد في جميع ما يصححونه أو يحسنونه أو يضعفونه أو يعلونه ، بل قرائن خصوص المقام وشواهد الحال وشهادة الوجدان قد تحكم على القواعد فتجعلها أكثرية أو أدنى من ذلك . وأصحاب البصيرة النافذة من أئمة الحديث والمجتهدين ليسوا بمتقيدين تقيدا حرفيا بالقواعد التي صاغ عباراتها المحدثون المتأخرين في كتب المصطلح ، بل جل تلك القواعد مما استنبط بالنظر في صنيع الأئمة وأحكامهم على الأحاديث والرواة ونظر المحققين يكون دائما على مناطات القواعد وحقائقها دون ألفاظها وظواهرها السطحية . ...

قال الذهبي في ص ٣٦ — ٣٧ من الموقظة : ولهم في ذلك – أي نقد الحديث هل وصل إلى درجة أن يقال فيه : موضوع أم لم يصل بل يقال فيه ساقط مطروح – طرق متعددة وإدراك قوي تضيق عنه عباراتهم من جنس ما يؤتاه الصيرفي الجهبذ في نقد الذهب والفضة أو الجوهري لنقد الجواهر والفصوص لتقويمها .

وقال إمام العصر مولانا الشيخ الكشميري في مقدمة فيض الباري : ١: ٥٨ : ووجهه – أي وجه اعتراض الدار قطني على البخاري تصحيحه لبعض الأحاديث وهي معلولة – أن الدار قطني يمشي على القواعد الممهدة عندهم فينازعه من القواعد وشأن البخاري أرفع من ذلك فإنه يمشي على اجتهاده وينظر إلى خصوص المقام وشهادة الوجدان ، وإنما القواعد لغير

الممارس على حد التحديد للعوام فيما لم يرد به التحديد من الشارع . ونقرأ لزاما ما في فيض الباري : ٤ : ٤١٤ في فاتحة كتاب الدعوات فإنه يوضح المرام أكثر .

هذا كله بالنسبة إلى أئمة الحديث ، فما ظنك بأئمة الفقه المجتهدين الذين لهم وجهة أخرى ومنهج آخر في باب التصحيح والتضعيف وشرح منهجهم في .... وقال إمام العصر الكشميري في بسط اليدين : ثم لأصحاب التصانيف على الأبواب أو المسانيد نظر آخر في باب الرواة ليس عمل أصحاب الجرح سواء بسواء . (المدخل إلى علوم الحديث الشريف : ص ١٦٠ – ١٦٣)

وجل من نصب نفسه في مقام التصحيح والتضعيف في عصرنا هذا لم يرتقوا إلى هذه المرحلة أيضا (أي معرفتنا نحن الطلاب حال الحديث بالاستفادة من تصحيح الأئمة وتضعيفهم وإعلالهم للأحاديث ورواياتها في كتبهم المعتمدة المشهورة) ، ولكنهم يرون في أنفسهم أنهم قد تجاوزوا المرحلة الأولى وأنهم من نظراء الفن وقرنائهم !!! (المصدر السابق : ص١٣١)

يوجد بين طلاب العلم كثيرون ممن يقع في هذا الفهم الخاطئ وهو أن أحدهم إذا قدر على إخراج الحديث من مظانه وكشف ترجمة راو من مصادرها وبدأ يفهم كلام الأئمة في الجرح والتعديل والتصحيح والتضعيف ظن في نفسه أنه صار بمجرد ذلك أهلا للتصحيح والتضعيف فيتجرأ كثير من هؤلاء على الاستقلال بالتصحيح والتضعيف فيقعون في مخالفة الأئمة وربما يشذون عن إجماعهم .

وإن من الواضح البين الذي لا ينبغي أن يختلف فيه اثنان أن القدرة على إخراج حديث وكشف تراجم رواته لا تجعل المرأ محدثا ، وأن فهم كلام الأئمة لا يمنحه مقام الإمامة والسيادة ، فعلى الطالب دائما أن يعرف مقامه ولا يتدخل في أمثال هذه المضائق ، وإنما شأنه أن يسعى في فهم كلام الأئمة والحفاظ والاستفادة من تراثهم .

كيف وإن الأنسب للمحدثين المهرة اليوم أيضا أن يتبعوا السالفين وأن لا يستقلوا بالتصحيح والتضعيف لما في ذلك من عظيم الخطر لا سيما لأبناء هذا الزمان . (المصدر السابق : ص١٤٧)

قال الإمام الكشميري : وليعلَم أن تحسينَ المتأخّرين، وتصحيحهم، لا يوازي تحسينَ المتقدّمين، فإنهم كانوا أعرفَ بحال الرواة لقُرب عهدهم بهم، فكانوا يَحْكُمون ما يحكُمون به بعد تثبُّت تام، ومعرفة جزئية أمّا المتأخرون، فليس عندهم من أمرهم غير الأثر بعد العين، فلا يحْكُمون إلّا بعد

مطالعة أحوالهم في الأوراق. وأنت تعلم أنه كم من فرق بين المجرب والحكيم؟ وما يغني السواد الذي في البياض عند المتأخرين عمّا عند المتقدمين من العلم على أحوالهم، كالعيان. فإنهم أدركوا الرواة بأنفسهم، فاستغنوا عن التساؤل، والأخذ عن أفواه الناس، فهؤلاء أعرف الناس، فبهم العبرة.

وحينئذ إن وجدت النووي مثلا يتكلم في حديث، والترمذي يحسنه، فعليك بما ذهب إليه الترمذيُّ، ولم يحسن الحافظ في عدم قبول تحسين الترمذي، فإن مبناه على القواعد لا غير، وحكم الترمذي، يبني على الذوق والوجدان الصحيح. وإنّ هذا هو العلم، وإنما الضوابط عصا الأعمى. (فيض الباري : ٢١٦/٦)

قال الإمام الكشميري : في إسناده حجاج بن أرطاة، وحسّن الترمذيُّ حديثه في غير واحد من المواضع من كتابه، وإن كان المحدثون لا يعتبرون بتحسينه، أما أنا فأعتمد بتحسينه، وذلك لأنّ الناس عامة ينظرون إلى صورة الإسناد فقط، والترمذيُّ ينظر إلى حاله في الخارج أيضا، وهذا الذي ينبغي، والقصر على الإسناد فقط قصور . (فيض الباري : ٥٣٢/٥)

قال الشيخ البنوري رحمه الله : وربما انتقى (أي أبو داود صاحب السنن) من روايته (أي رواية المتروك) ، فليس كل متروك يروي دائما متروكا أو يكون جميع ما يرويه متروكا دائما . وربما يروي ما يكون صحيحا أو على الأقل متحملا . وهناك نظائر إن كثيرا من المحدثين ربما يختارون وينتقون من روايات الضعيف ما يتحمل على حسب أذواقهم وبصائرهم . وبصيرتهم تفصل بين الضعيف وغيره . وليس المدار دائما على الراوي ، وإنما دخل في البين الذوق والبصيرة والقرائن والشواهد وما إلى ذلك. والله يقول الحق وهو يهدي السبيل. (تقريظ بذل المجهود : ٢٤٢/٢٠)

قال سفيان الثوري : اتقوا الكلبي . فقيل له فإنك تروي عنه ؟ قال أنا أعرف صدقه من كذبه . (الكامل لابن عدي : ٥٣/٩)

وينظر لزاما : التعقيب الممجد على ما قيل عن التقريب ومراتبه في مقدمة الدر المنضد لمولانا سعيد أحمد تحت إشراف مولانا محمد عبد المالك .

قال محمود محمد شاكر (ت١٤١٨هـ محقق تهذيب الآثار للطبري) : واكتفيت بما قيل في رجال الإسناد في كتب الجرح والتعديل توقيا مني لما أفرط فيه بعض المحدثين في زماننا حين تعرضوا لتصحيح الأحاديث وتضعيفها ورأيت لنفسي أن في تخريج الأحاديث من دواوين السنة الصحاح ومن الكتب التي ذكرتها آنفا مع ما أذكر في تفسير الإسناد ما يغني عن زيادة أزيدها

من عندي ، لعلمي بقلة بضاعتنا في زماننا من معرفة وجوه القول الشامل الدقيق الذي يتيح لأحدنا الفصل القاطع في التصحيح والتضعيف ومعرفة علل الأحاديث . وفي كتاب أبي جعفر هذا تهذيب الآثار شاهد يلوح على سنة علماء السلف في هذا الأمر جزاهم الله أحسن الجزاء بذبهم عن سنة رسول الله ﷺ . فقد نهاني ما فيه من العلم عن أجترئ على التشبه بالفحول من علماء الأمة بعلم مسترضع بثدي من العجز وثدي من التقصير وأستغفر الله وأتوب إليه .
(مقدمة تحقيق تهذيب الآثار : ١/١٤ ، ١٥)

۵ – ایک سند میں شدید الضعف راوی آنے سے متن کے ثبوت کا مجموعی حیثیت سے شدید الضعف ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ اگر ایک سند میں ایک راوی شدید الضعف آیا ہے تو اس کے باوجود یہ احتمال باقی ہے کہ اس کا کوئی ایسا متابع یا شاہد ہو جس سے پہلی سند کا ضعف کم ہو جائے یا ختم ہو جائے۔ نیز ضعفِ سند کم یا ختم کرنے والے امور میں تعددِ سند کے علاوہ ایک امر تلقی بالقبول بھی ہے۔

اسی طرح سند میں کسی کذاب یا وضاع کا آنا حدیث کے موضوع ہونے کو مستلزم نہیں، بلکہ اس کے ساتھ بعض دیگر قرائن کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ کی "لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث": ص ۱۱۷ – ۱۲۷، ضوابط وامارات لمعرفة الحديث الموضوع

وكثيرا ما يكون الحديث ضعيفا أو واهيا والإسناد صحيح مركب عليه .

فصحة السند لا تستلزم صحة المتن ، وكذا صحة المتن لا تستلزم صحة السند إن كنا صححنا المتن بمجموع طرقه ، لا لكل سند على انفراد . (حاشية ابن العجمي وتعليق محمد عوامة على تدريب الراوي : ٢/٥٥٤) فيجوز أن يكون المتن صحيحا والسند ضعيفا ، فلا تستلزم شدة ضعف السند شدة ضعف المتن .

قال ابن كثير : ثم وقفت بعد هذا على كلام لشيخنا العلامة ابن تيمية، مضمونه: أنه نقل القطع بالحديث الذي تلقته الأمة بالقبول عن جماعات من الأئمة: منهم القاضي عبد الوهاب المالكي، والشيخ أبو حامد الاسفرائيني والقاضي أبو الطيب الطبري، والشيخ أبو إسحق الشيرازي من الشافعية، وابن حامد، وأبو يعلى بن الفراء، وأبو الخطاب، وابن الزاغوني، وأمثالهم من الحنابلة، وشمس الأئمة السرخسي من الحنفية قال: " وهو قول أكثر أهل الكلام من الأشعرية وغيرهم: كأبي إسحاق الاسفرائيني، وابن فورك قال: وهو مذهب أهل الحديث قاطبة

ومذهب السلف عامة." وهو معنى ما ذكره ابن الصلاح استنباطاً. فوافق فيه هؤلاء الأئمة. (الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث : ص٣٦)

وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله . (النكت البديعات للسيوطي : ص٩٠)

هذا وقد صنف حسين الأنصاري اليماني جزء في التلقي بالقبول سماه بالتحفة المرضية في حل بعض المشكلات الحديثية .

قال عبد الحق الأشبيلي : ولم أتعرض لإخراج الحديث المعتل كله، وإنما أخرجت منه يسيرا مما عمل به، أو بأكثره عند بعض الناس، واعتمد عليه وفزع عند الحاجة إليه .... أو يكون حديث تعضده آية ظاهرة البيان من كتاب الله تعالى، فإنه وإن كان معتلا أكتبه؛ لأن معه ما يقويه ويذهب علته . (الأحكام الوسطى : ١/٦٦ ، ٧٠)

قال السخاوي : (وإن يكن) ضعف الحديث (لكذب في) راويه (أو شذا) أي أوشذوذ في روايته بأن خالف من هو أحفظ أو أكثر (أوقوي الضعف) بغيرهما بما يقتضي الرد. (فلم يجبر ذا) أي : الضعف بواحد من هذه الأسباب ولو كثرت طرقه ، كحديث : «من حفظ على أمتي أربعين حديثا » ، فقد نقل النووي اتفاق الحفاظ على ضعفه من كثرة طرقه ، ولكن بكثرة طرقه – القاصرة عن درجة الاعتبار بحيث لا يجبر بعضها ببعض – يرتقي عن مرتبة المردود المنكر الذي لايجوز العمل به بحال ، إلى رتبة الضعيف الذي يجوز العمل به في الفضائل .

وربما تكون تلك الطرق الواهية بمنزلة الطريق التي فيها ضعف يسير بحيث لو فرض مجيء ذلك الحديث بإسناد فيه ضعف يسير ،كان مرتقيا بها إلى مرتبة الحسن لغيره . (فتح المغيث : ١/٩٧،٩٦)

قال أبو الحسن بن الحصار في تقريب المدارك، على موطأ مالك: قد يعلم الفقيه صحة الحديث إذا لم يكن في سنده كذاب بموافقة آية من كتاب الله أو بعض أصول الشريعة، فيحمله ذلك على قبوله والعمل به . (تدريب الراوي : ٢/١٦٠)

قال الإمام الكشميري : وبحث فيه ابن القطان أن الحديث الضعيف إذا انعقد عليه الإجماع هل ينقلب صحيحا أم لا؟ والمشهور الآن عند المحدثين أنه يبقى على حاله، والعمدة عنده في هذا الباب هو حال الإسناد فقط، فلا يحكمون بالصحة على حديث راو ضعيف، وذهب بعضهم إلى أن الحديث إذا تأيد بالعمل ارتقى من حال الضعف إلى مرتبة القبول.

قلت: وهو الأوجه عندي، وإن كبر على المشغوفين بالإسناد. فإني قد بلوت حالهم في تجازفهم، وتسامحهم، وتماكسهم بهذا الباب أيضا. واعتبار الواقع عندي أولى من المشي على القواعد. وإنما القواعد للفصل فيما لم ينكشف أمره من الخارج على وجهه، فاتباع الواقع أولى، والتمسك به أحرى.

قلت: ولا تكن كما قيل: حفظت شيئا، وغابت عنك أشياء. فإن الشيخ قرر مراده من تلك الكلمات فيما مر. فلا يريد هدر باب الإسناد. كيف! ولولاه لقال من شاء ما شاء، ولكنه يريد أن الحديث إذا صح من القرائن، وظهر به العمل، فتركه وقطعَ النظر عنه بمجرد راو ضعيف ليس بسديد. كيف! وتسلسل العمل به أقوى شاهد على ثبوته عندهم، وقد قررناه، وحققناه وشيدناه في مواضع، فلا نطيل الكلام بذكره، وإنما أردنا التنبيه فقط. (فيض الباري مع البدر الساري : ١٣٠/٤)

ضعف الإسناد غير قاطع ببطلان المتن بل ظاهر فيه، فإذا تأيد بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحا . (فتح القدير لابن الهمام : ١٢٤/٢)

ليس معنى الضعيف الباطل في نفس الأمر، بل ما لم يثبت بالشروط المعتبرة عند أهل الحديث مع تجويز كونه صحيحا في نفس الأمر فيجوز أن تقترن قرينة تحقق ذلك وإن الراوي الضعيف أجاد في هذا المتن المعين فيحكم به . (المصدر السابق : ٣٠٦/١ ، وانظر منه : ٥/٦ ، ٤٠٥/٧ ، ١٦٢/١ ، ١٦٣)

مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع، ولو كان بعد الاستقصاء في التفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء - غير مستلزم لذلك (أي لكون الحديث موضوعا) ، بل لا بد معه من انضمام شيء مما سيأتي. ولذا كان الحكم به (أي بكون الحديث موضوعا) من المتأخرين عسيرا جدا، وللنظر فيه مجال، بخلاف الأئمة المتقدمين الذين منحهم الله التبحر في علم الحديث والتوسع في حفظه . (فتح المغيث للسخاوي : ٣١٣/١)

٦ - واضح ہو کہ صحیح احادیث میں بکثرت تعارض ہوتا ہے۔اور ہمارے حق میں یہ تعارض معنائے مراد میں خفاء کی وجہ سے آتا ہے۔ورنہ نفس الامر میں کسی عاقل انسان کے کلام میں تعارض نہیں ہو سکتا تو اعقل الناس کے کلام میں کیسے ہو سکتا ہے؟ رفع تعارض کے طریقوں میں ایک تطبیق بھی ہے۔اس سے سبھی مجتہدین کام لیتے ہیں۔اور تطبیق میں لامحالہ ایک حدیث کے ظاہری

معنی کو چھوڑ کر اس میں تاویل کی جاتی ہے۔ لہٰذا ہر حدیث کے ظاہر پر عمل کا تو کوئی بھی دعوی نہیں کر سکتا۔ حتی کہ حنابلہ اور ظاہریہ کو بھی کہیں نہ کہیں تاویل سے چارہ نہیں۔

البتہ یہ بات درست ہے کہ حنفیہ کے ہاں تاویلات کی نسبتا کثرت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کسی مسئلے میں آنیوالی مرفوع احادیث کے سب طرق کے ساتھ ساتھ موقوف اور مقطوع روایات کو بھی ملاتے ہیں، تعامل (قرون ثلاثہ کے عملی رواج) کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کو دیکھتے ہیں۔ غرض شارع، علت حکم اور شریعت کے قوانین عامہ کا لحاظ کرتے ہیں۔ اس طرح جمیع مافی الباب کو سامنے رکھ کر سب دلائل کے ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے مراتب قوت وضعف کی بڑی باریک بینی سے جانچ کرتے ہیں، اور اختلاف مراتب کی پوری رعایت کرتے ہیں۔ ارجح اور اقوی کو اصل قرار دیتے ہیں اور جو جزئیات اس کے بہ ظاہر متعارض ہوں ان کی تاویل کر کے دلیل اقوی کے ساتھ انھیں جوڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ تاویل نری تاویل نہیں ہوتی بلکہ اس کے پس منظر میں کوئی مضبوط دلیل اور قرینہ ہوتا ہے، جس کی بنا پر ظاہری معنی چھوڑے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق دلائل کی تقریر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس طریق سے واضح ہو گا کہ حنفیہ کے متعین کیے ہوئے معنی صرف تاویل نہیں، بلکہ دلائل کی رو سے راجح مراد ہے۔ نیز حنفیہ کے ہاں خبر واحد کا اوفق بالقرآن ہونا یا اوفق بالتعامل ہونا یا شریعت کے عام قوانین کے موافق ہونا، یہ قوی ترین وجوہ ترجیح ہیں برخلاف دیگر ائمہ کے۔ حاصل یہ کہ حنفیہ کے ہاں جو تاویلات کی کثرت نظر آتی ہے یہ در حقیقت دلائل کے مراتب قوت وضعف کی باریک رعایت کا ثمرہ ہے۔ فافہم۔

لعل متوهما يتوهم أن لا معارض لحديث صحيح الإسناد آخر صحيح ! وهذا المتوهم ينبغي أن يتأمل كتاب الصحيح لمسلم حتى يرى من هذا النوع ما يمل منه . (المستدرك للحاكم : ٣٤٩/١)

إنكاره الخروج عن الظاهر عجيب فإن الذي يحاول الجمع بالتأويل يرتكب خلاف الظاهر حتما . (فتح الباري : ٣٦٤/٩)

كثير من الأحاديث الصحاح لايعمل بظاهرها ، بل يرد بالتأويل المعتمد إلى ما يليق بقواعد الدين . (ظفر الأماني : ص٤٥٨ بتغيير يسير)

من قصر في جمع الروايات واكتفى بخبر يعده صحيحا لا يكون وفي العلم حقه ، لأن الروايات تختلف زيادة ونقصا ومحافظة بالأصل ورواية بالمعنى واختصارا ، فلا تحصل طمأنينة في قلب الباحث إلا باستعراض جميعها مع آراء فقهاء الصحابة والتابعين ومن بعدهم ، فيتمكن بذلك

من رد المردود وتأييد المقبول . وهذا ما فعله الطحاوي في كتبه . (الحاوي في سيرة الإمام أبي جعفر الطحاوي : ص٢١)

- قال شيخنا الجنجوهي قدس سره : مما ينبغي أن يتنبه له أن الأئمة الأربعة قد تفرقت أصولهم التي يتفرع عليها اختلافهم في المسائل الشرعية ، وفيه كثرة . فمن ذلك أنهم اختلفوا في وجه ترجيح الروايات المتخالفة فيما بينها .

فقال مالك يترجح رواية المدينين على غيرهم . وإنما كانت روايتهم بالقبول أحرى ؛ لأن صاحب البيت بما فيه أدرى . وما لم يكن فيه منهم شيئ وجب المصير إلى غيرهم .

وقال الشافعي : يترجح الحديث بقوة الإسناد . فإذا ثبتت الرواية وكان السند متينا وجب القول بمقتضاها ، وإن خالف بعض الأصول الشرعية الثابتة بالروايات الأخرى أو الآيات . غاية الأمر إن تلك الجزئية بنوعها تستثنى عن هذه الكلية . وكان مدة إقامته بالحجاز يعمل برواياتهم ؛ لكونها أصح عنده . فلما ورد مصر أخذ برواياتهم ولم ينكر على ما كان قاله من المسائل أولا . فتفرقت أقاويله في مسألة واحدة . وهذا هو المراد بما يذكر في الفقه من قوله القديم والجديد . بل الذي ثبت إن له أقاويل ثلاثة أو أزيد في بعض المسائل ، إلا أن هذا قليل ، والأكثر إن له قوليين .

وأما أحمد بن حنبل فأكثر أخذه بظاهر الحديث لا غير . وقلما يسيغ في الحديث اجتهادا . وإذا تعددت الروايات في مسألة كان العمل عنده على أيها أحب . ولا يكون العمل بإحدى الروايات موجبا لترك العمل بالأخرى . بل كان له العمل بهذا تارة وبذلك أخرى.

وأما إمامنا العلامة فقال إن النبي كان مقننا يقنن القوانين ويضع الأصول ليعمل بها وترجع الفروع إليها . وهي العمدة في العمل . فأما ما ورد من الجزئيات التي خالفت بظاهرها تلك الأصول المقررة وجب عند الإمام الهمام جمعها بتلك الأصول بضرب من التأويل : كزيادة قيد أو تعميم أو تخصيص أو غير ذلك من وجوه التوفيق . وما لم يمكن جمعها بالأصول وجب قصرها ، وكان خاصا استثني من الأصول بشخصه لا بنوعه . (الكوكب الدري : ٢٦/١ ، ٢٧) وينظر لزاما : الإمام ابن ماجة وكتابه السنن : ص١٦٤ - ١٦٧

- قال شيخنا (الإمام الكشميري) : للأئمة الأربعة أصول وقواعد وآداب في العمل بالنصوص عند التعارضفي أكثر الأحيان لا دائما . وذلك أن الإمام مالكا يقتدي بعمل فقهاء المدينة السبعة ، وربما رجحه على حديث مرفوع . والإمام الشافعي يأخذ بأصح ما ورد في الباب .

والإمام أحمد يأخذ بالأصح والصحيح والحسن والضعيف بالضعف اليسير والكل جائز عنده ، وعلى ذلك جمع مسنده وانتقاه ، ولذلك تجد له عدة روايات في مسألة أحيانا . والإمام أبو حنيفة يأخذ بهذه الأقسام كلها ، وينزل الأحاديث على محمل واحد ، ومن أجل ذلك فتح باب التأويل على مصراعيه عند الحنفية ، وكثر الجرح على الرجال عند الشافعية . (والإفراط في كلا الأمرين كان غير مرضي عند الشيخ . وكان له من أمثال هذا عادات خاصة فصلتها في نفحة العنبر من ص ٥٦ إلى ٧١)

وإذا تعارض الخبران في باب واحد فعند الشافعية يقدم التطبيق ثم الترجيح ثم النسخ ثم التساقط والعمل بالأصول . وعند الحنفية يعمل أولا بالترجيح ، ثم بالتطبيق ، ثم بالنسخ ، ثم بالتساقط . والمراد بالنسخ الاجتهادي . أما المعلوم زمانه فهو المقدم على الكل عند الكل . وقيل التطبيق مقدم على الترجيح عند الحنفية أيضا . وذلك أن في الترجيح عملا بالعلم ، وفي التطبيق عملا بعدمه ، والأول مقدم على ما يقتضيه العقل والذوق . (معارف السنن : ١٠٢/١ ، ١٠٣)

فحاصل المذهب الراجح عند الحنفية هو: إنه إذا تعارض حديثان يحمل أولا على النسخ إن علم التاريخ نصا ، ثم على الترجيح إذا ثبت كون أحدهما راجحا على الآخر ، وإلا يجمع بينهما ما أمكن ، ثم على النسخ الاجتهادي ، ثم التساقط إلى ما بعده من الدليل . (دراسات في أصول الحديث على منهج الحنفية : ص٥٠٦)

قال إمام العصر الكشميري : قد جرّت من صنع الحنفية مع القرآن أنهم يعطون أوّلا حقّ سياق النظم، فإن التأم الحديث به فيها، وإلاّ يؤولون في الحديث. (فيض الباري : ٥٧٦/٥)

فإن خالف خبر الواحد عموم الكتاب أو ظاهره فهو محل الخلاف . فعندنا لا يجوز تخصيص العموم وترك الظاهر وحمله على المجاز بخبر الواحد ، كما لا يجوز ترك الخاص والنص من الكتاب به . (فتح الملهم : ٤٨/١)

فخاص الكتاب وعامه وظاهره ونصه أقوى من خبر الواحد الصحيح ، فيجب مراعاة هذا الفرق عند استنباط الأحكام والعمل بالحديث . وانظر : إعلاء السنن : ٣٨١/١٥ ، ومعارف السنن : ٥٨/١ ، وحقيقة الزيادة على القرآن بخبر الواحد ، بحث بإشراف الشيخ نعمة الله الأعظمي حفظه الله .

إن العارف بمذهب الحنفية البيضاء لا ينكر أن كلما اختلف فيه شيء من الروايات أخذت الحنفية فيها الأوفق بالقرآن . وهذا أصل مطرد من أصولهم له نظائر شهيرة : كما في أدعية

الصلاة ، وقنوت الوتر ، ومنع القراءة للمؤتم ، واختيارهم تأخير الفجر والعصر ؛ لقوله تعالىٰ : قبل طلوع الشمس وقبل غروبها : فإن لفظ قبل يشير إلي الاتصال بالطلوع والغروب ، وغير ذلک مما لا يحصى عددها . فکذلک مسألة الرفع لما کان ترکه أوفق بقوله تعالىٰ : وقوموا لله قنتين ، رجحوه به. ولا يلتبس عليک قولهم بما توهم فيه بعضهم بأن الحنفية أثبتوا ترک الرفع بالقرآن ، وليس کذلک، بل إنهم لما رأوا روايات الترک أوفق به رجحوها به . و بينهما فرق ظاهر فلا تغفل . (أوجز المسالك : ٢/٩٥ ، ٩٦)

حنفیہ ہمیشہ اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو مضمون قرآنی کے موافق ہو،اگرچہ دوسری طرف روایت کرنے والے ان کی نسبت زیادہ ثقہ یا تعداد میں زیادہ ہوں۔(اختلاف الائمہ :ص۴۵،حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ)

عمل بالحدیث کرنے والے کا بڑا فرض یہ ہے کہ ان سب (وجوہ ترجیح) کی تحقیق کرنے کے بعد یہ دیکھے کہ کونسی روایت میں وجوہ ترجیح زیادہ پائی جاتی ہیں تاکہ وہ اس کو دوسری متعارض روایات پر ترجیح دے سکے۔ اسی وجہ سے حنفیہ ان روایات کو بھی ترجیح دیتے ہیں جو قوت سند یا علو سند کے لحاظ سے زیادہ راجح نہیں ہوتیں۔اس لیے کہ ان میں اس سے زیادہ قوی وجوہ ترجیح پائی جاتی ہیں۔مثلاً حنفیہ کے نزدیک کسی مضمون حدیث کا اوفق بالفاظ القرآن ہونا قوی تر وجوہ ترجیح میں سے ہے۔اور یہ امر نہایت بدیہی ہے اس لیے کہ الفاظ حدیث کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہونا یقینی نہیں۔روات کا بالمعنی حدیث نقل کرنا پہلے بیان کیا جا چکا اور الفاظ قرآنی کا بلفظہ منقول ہونا قطعی ہے۔اس لیے مختلف روایات کے مضمون میں سے جو مضامین الفاظ قرآنیہ کے زیادہ قریب معلوم ہوں گے ان کا راجح ہونا یقینی اور بدیہی امر ہے۔(مصدر سابق: ص۸۳،۸۴)

إن تلقي الأمة بالقبول أصل كبير عند الحنفية والمالكية ومعيار عظيم لقبول الأخبار وردها . (فتح الملهم : ٣٤/١)

حجية العمل المتوارث : الإمام ابن ماجة وكتابه السنن : ص ٨٦ – ٩٠

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں ضرورت ہے امام ابو حنیفہ جیسے فقہاء کی۔یہاں محض روایت کافی نہیں، کہ محض راویوں کی طرح حدیث بیان کیے جائیں اور علل احکام میں

نظر نہ کریں، گو ایک مسلک یہ بھی ہے، مگر مسلک منصور یہی ہے کہ احکام غیر تعبدیہ کی علل میں غور کیا جائے۔ (خطبات حکیم الامت:۲۵/۲۳۳)

وانظر لزاما : عدة أصول وقواعد هي أساس لاستنباط الأحكام من النصوص في نظر فقيه الأمة أبي حنيفة ..... فهذه خمسة مسائل نجري في الفقه الحنفي مجرى القواعد والأصول الأساسية . (معارف السنن : ۱/ ٥٤ – ٦٥)

مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: غرض علمائے دیوبند کے مسلک میں محض قوت سند یا اصح مافی الباب ہونا اصل نہیں، بلکہ بصورت جمع مناطِ حکم اور بصورت ترجیح تفقہ اصل ہے، کیونکہ صحت سند سے زیادہ سے زیادہ حدیث کے ثبوت کی پختگی معلوم ہو سکتی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث زیادہ ثابت ہو وہ اس دائرہ کا بنیادی فقہ بھی اپنے اندر رکھتی ہو۔ پس اگر اصح مافی الباب حدیث لے لی جائے جس میں صرف حکم مسئلہ موجود ہے، اور غیر اصح مگر قابل احتجاج بوجہ غیر اصح ہونے کے ترک کر دی جائے جس میں حکم مسئلہ کے ساتھ علت حکم اور مناطِ حکم بھی موجود ہے، تو حکم بلا علت کے رہ جائے گا، اور جبکہ علت حکم ہی سے یہ حکم اپنی دوسری امثال میں بھی پہنچ سکتا تھا جو اس حکم کے پھیلاؤ اور وسعت کی صورت تھی، اور یہ علت محض اس لیے متروک ہوگئی کہ اس کا مأخذ اصح مافی الباب نہ تھا، بلکہ اپنی روایات سے نسبتہ ضعیف السند تھا، تو یقیناً اس حکم کی جامعیت اور مخزن امثال ہونا ختم ہو جائے گا، جس سے فقہ کی وسعت بھی ختم ہو جائے گی اور تبعین کی وسعت فہم بھی باقی نہ رہے گی، اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قوتِ سند کے ساتھ اس سے زیادہ مناطِ حکم کی تخریج و تحقیق اور تنقیح و تفقہ روات پر زور دیتے ہیں، جس سے حکم کی قوت بھی نمایاں ہوتی ہے اور وسعت بھی۔۔۔۔۔۔

پھر صحیح روایتیں تو بجائے خود ہیں، ضعیف روایتیں بھی جو قابل احتجاج ہوں ہاتھ سے جانے نہیں پائیں گی۔ اس لیے تطبیق روایات اور جمع بین الروایات حنفیہ کا خاص اصول ہے جس پر وہ زیادہ زور دیتے ہیں تاکہ کوئی روایت حدیث چھوٹنے نہ پائے، مگر پھر بھی تعصباً انھیں قیاس کہہ کر تارکِ حدیث کا خلاف واقعہ لقب دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حنفیہ اپنے جامع اصول کے لحاظ سے خود ہی صاحب فقہ نہیں، بلکہ وہ اصولاً تمام فقہوں کے جامع اور محافظ بھی ہیں، اور اسی لیے شاید حضرت الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ۔ البتہ اس جمع بین الروایات اور

تحقیق وتنقیح مناط کی وجہ سے حنفیہ کے یہاں بلاشبہ توجیہات کی کثرت ہے کہ اس کے بغیر روایات باہم جڑ کر حکم کا جامع نقشہ نہیں پیش کرسکتیں، مگر یہ توجیہات تاویلات محضہ یا تخمینی باتیں نہیں، بلکہ اصول اور نصوص سے مؤید ہونے کی وجہ سے تقریباً حدیث کی تفسیرات کے ہم پلہ ہوتی ہیں۔ اس لیے حدیث کے بارہ میں علمائے دیوبند کے مسلک کا عنصر وہی جامعیت واعتدال ہے، جس میں نہ تشدد ہے نہ تساہل، بلکہ وہ روایات کے ساتھ تمام ائمہ کے اصول ساتھ لیکر چلتا ہے۔ (علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج: ص ۱۴۹ - ۱۵۱)------------------------------ واللہ سبحانہ وتعالی أعلم

الجواب صحیح

محمد نوید خان

استاذ الحدیث ومفتی

دار الافتاء جامعہ عبد اللہ بن عمر، لاہور

محمد طارق محمود

مدرس ومعین مفتی

جامعہ عبد اللہ بن عمر، لاہور

۱۴۴۵/۶/۱۳ھ

۲۰۲۳/۱۲/۲۷ء

اس جواب کا مسودہ حضرت الاستاذ مولانا نور البشر صاحب حفظہ اللہ کی خدمت میں بغرض اصلاح واٹس اپ کیا۔ حضرت الاستاذ معہد عثمان بن عفان کراچی کے مدیر اور تخصص فی الحدیث کے مشرف ہیں، اور علوم الحدیث کے کبار اساتذہ میں سے ہیں۔ تقریبا ۵۰ منٹ بعد حضرت الاستاذ کا جواب موصول ہوا۔ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بطور استفادہ بندہ نے تحریر مکمل پڑھی۔ ماشاء اللہ بہت فائدہ ہوا۔ ہر ہر سطر کو مفید اور معتدل پایا۔ اللہ تعالی آپ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس تحریر کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ۵ نمبر پر راوی کے شدید الضعف کی جو بات لکھی گئی ہے وہ بہت موجز ہے۔ بندہ کے خیال میں اس کو شواہد ونظائر کے ساتھ مزید واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم" حضرت کے ارشاد کے مطابق ۵ نمبر کا جواب مزید واضح کر دیا ہے۔ حضرت الاستاذ کی تصویب آنجناب کی شفقت اور تواضع کی واضح دلیل ہے، اور الحمد للہ بندہ کے لیے بڑی سعادت اور خوشی کی بات ہے۔ طارق۔ ۸/۵/۱۴۴۵ھ = ۲۳/۱۱/۲۰۲۳ء

استاذ محترم حضرت مولانا محسن گلزار صاحب حفظہ اللہ کی خدمت میں بھی جواب کا مسودہ ارسال کیا تھا۔ حضرت کا جواب درج ذیل ہے: "آپ نے ماشاء اللہ جو لکھا ہے وہ عمدہ لکھا ہے۔ البتہ کافی پہلوؤں سے جواب کو مزید بہتر و مفصل بنایا جا سکتا تھا، ان پوچھے گئے سوالات اور ان سے ملتے جلتے موضوعات پر میں ایک تحریر تین ماہ قبل لکھ چکا ہوں، جو کوئی سوڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے، اس جواب میں کچھ پہلو ایسے ہیں جن کو اپنے الفاظ میں تو میں نے بہت تفصیل سے بیان کر دیا ہے لیکن ان پر آپ نے اکابرین کے نصوص پیش کئے ہیں جن سے میری تائید بھی ہوتی ہے اور مزید تفصیل بھی سامنے آتی ہے۔ اس لیے میں نے آپ کے جواب کو آپ کے تذکرہ کے ساتھ اس تحریر کے آخر میں دیئے گئے متفرق حدیثی سوالات جوابات میں درج کرنے کو کہا ہے، آپ سے پیشگی اجازت لئے بغیر میرا ظن ہے کہ قارئین کے لیے جس چیز کو میں یکجا مفید خیال کر رہا ہوں، آپ بھی اس چیز کی اجازت دے گے اور آئندہ کے لیے اس موضوع پر جب لکھنا چاہیں گے تو میرے بیان کردہ نکات کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے تحریر کو مزید عمدگی سے ہم کنار کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۳/۶/۱۴۴۵ھ = ۲۷/۱۲/۲۰۲۳ء